(۷۸۶)

دی سلیوشن آف ہیومن پرابلمز

یعنی

انسانی مسائل کا حل

از

مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم صاحب قادری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

جناب گرامی محترم محمد حسین آسی بی اے نقشبندی پھگواڑوی

یکے از تبلیغی رسائل

جمعیۃ عالیہ اسلامیہ مرکزیہ (موتمر علماء پاکستان) لاہور

تعارف

مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ عبد العلیم صاحب قادری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور خدمات دینیہ اہل سنت وجماعت کے طبقہ اہل علم میں تو محتاج تعارف نہیں! کون واقف نہیں کہ آپ اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد مائتہ حاضرہ فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلیفۂ باختصاص تھے۔

آپ ہی کی وہ ذات گرامی ہے جس نے علم تبلیغ اسلام بلند کر کے اقوام عالم میں تبلیغ فرمائی اور دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جہاں خود پہنچ کر انکو زبان میں دعوت اسلام نہ دی ہو۔ آپ تقریباً دنیا کی ہر مشہور زبان پر بے تکلف حاوی تھے۔

زیر نظر مقالہ آپ کی اس انگریزی زبان میں تقریر کا ترجمہ ہے جو واشنگٹن (امریکہ) میں فرمائی تھی، بالغرض آپ کی دعوت وتبلیغ نے ایک اندازہ کے مطابق ساٹھ ہزار غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا موجودہ دور میں آپ ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے موثر طریقہ پر سمندر پار جا کر دعوت اسلام پیش کی۔

فاضل مترجم نے آپ کی اس تقریر کا ترجمہ کر کے ملت اسلامیہ پر احسان عظیم کیا ہے ہمیں امید ہے کہ آپ کے دیگر تبلیغی رسائل کا بھی اسی طرح سلیس عام فہم ترجمہ پیش کر کے مزید ممنون فرمائینگے۔ اور حضرت علامہ مرحوم کی علمی یادگار کو ہر خاص وعام تک پہنچا کر اجر عظیم حاصل کرینگے۔

ناظم اعلیٰ موتمر علمائے پاکستان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

انسان اپنی روزمرہ زندگی میں کئی مسائل سے دوچار ہوتا ہے اور ان کا حل تلاش کرنے کے لئے غور و فکر میں کھو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی فطرتاً ہی پیچیدہ سی واقع ہوئی ہے۔ انسان میں جہاں ایک طرف مقصود کی انتہائی بلندیوں کو سر کرنے اور اپنی سرگرمی کے گوناگوں پہلوؤں میں نقطۂ کمال پر پہنچنے کی ایک نہ ختم ہونے والی تڑپ موجود ہے وہاں دوسری طرف اُسکا دائرہ اختیار اتنا محدود ہے کہ یقین کی کسی مقدار کے ساتھ اپنی کارکردگیوں کے نہائی نتائج کا تعین بھی نہیں کر سکتا۔

(ہاں) انسان عالمگیر اصولوں سے خاص قوانین اور خاص واقعات سے عالمگیر اصول اخذ کرنے کی اہلیت ضرور رکھتا ہے۔ وہ فلسفیانہ مقولے اور کہاوتیں تیار کر سکتا ہے۔ وہ شاعرانہ تصور اور بلند پرواز تخیل لیکر مجردات کی سیر کر سکتا ہے۔ وہ اگر مادے کے خواص کی تحلیل کر سکتا ہے تو ذرے کا سینہ بھی چیر سکتا ہے لیکن ان سب حقائق کے باوجود اُسے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اُسکے سمجھنے کو ذہین دماغ کے مقابلے میں بہت وسیع ہے جب جوں جوں وہ علم کی تلاش میں آگے بڑھتا جاتا ہے توں توں اُسے حقیقت کی بے پایاں وسعت کا یقین ہوتا جاتا ہے۔ وہ کسی نئی حقیقت کی دریافت سے اس حقیقت کو بھی پالیتا ہے کہ لاتعداد حقائق ابھی پردۂ اخفا میں ہیں (جنہیں معلوم کرنا باقی رہتا ہے) (اسطرح) علم کی پیاس کبھی بجھتی ہی نہیں۔

علم کے لئے اس ساری جدوجہد کے باوجود، انسان صرف جزواً ایسی حقیقت کو معلوم کر سکتا ہے جس کا اظہار حال میں ہو رہا ہے یا ماضی میں ہو چکا ہے۔ مستقبل کے بارے میں وہ بالکل بے خبر ہے۔ وہ استقرائی طریقے کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کرنا چاہتا ہے

مگر خود اُسے اس نتیجے پر سو فیصد یقین نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں علم ہئیت سے مدد لیتا ہے مگر یہ بھی کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ گویا ماضی، حال اور مستقبل کا جامع اور بے عیب علم خواب بعید بنا رہتا ہے۔

انسانی قوٰی کا اسطرح محدود ہونا مسائل کے غیر اطمینانی حل پر مبنی ہے اگر اس میں اُن کشمکشوں کو جمع کر دیں جو مختلف جذبات، اور پھر جذبہ و عقل کے مابین واقع ہوتی ہیں تو اس معمائی صورتِ حال کا واضح طور پر تصور کیا جا سکتا ہے جس سے انسان دوچار ہوتا ہے۔

انسان سکون اور چین کے حصول کی خاطر لگاتار جدوجہد کرتا ہے مگر وہ ان کی تلاش مادیات میں کرتا ہے اس لئے ناکام رہتا ہے۔ کسی ایک مادی سمت سے (اپنی تلاش کا) آغاز کر کے تھوڑی بہت کامیابی بھی حاصل کر لیتا ہے مگر جب اسے انتہائی مقصود کے آئینے میں دیکھتا ہے تو (ہنوز دلی فراست کے مطابق) وہ بہت دور نظر آتا ہے۔ مال و دولت، صحت و تندرستی اور شاندار خانگی زندگی میں سے ایک (شے) بھی اس ذہنی اور روحانی سکون کو مہیا نہیں کر سکتی جسکے ہم سب تہِ دل سے متمنی ہیں۔ یہ چیزیں صرف ضمنی عناصر کا کام دے سکتی ہیں، اور وہ بھی کب؟ جب مقصود کے احساس کی بنیادی ضرورت موجود ہو۔

سوال یہ ہے کہ وہ بنیادی ضرورت ہے کیا؟ وہ کونسی چیز ہے جسے سب لوگ تلاش کرتے ہیں مگر وہ مادیات میں نہیں ملتی؟ کس متاع کو پا کر کہا جا سکتا ہے کہ میں واقعی مطمئن ہوں، یا فی الواقع مجھے تسکین قلب نصیب ہے یا میں نے حقیقی مسرت حاصل کر لی ہے؟ عامۃ الناس امیر لوگوں پہ رشک کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اس (حقیقی مسرت) کا دعویٰ کر سکتے ہیں مگر حقیقت میں کوئی مالدار بھی اپنے مال کی بنا پر تسکین نہیں پاتا۔ اسی طرح کمزور اور چھوٹی قومیں دولتمند اور بڑی قوموں سے جو حاکم اور سربراہ دکھائی دیتی ہیں حسد رکھتی ہیں۔ مگر (اصل میں) ملکوں پہ قبضہ جمانے کی خواہش قدرتی طور پہ

کچھ ایسی ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی مادی وسیلہ بھی اس نقص سے خالی نہیں کیونکہ ان کی دنیا بلاشبہ محدود و قیود اور غیر مستقل و عارضی تجربات کی دنیا ہے۔

میرے دوستو!

ہمیں اب یہ دیکھنا ہے کہ انسان کا بنیادی مسئلہ کیا ہے۔ بحیثیت خود میں نے اسے تجربے سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں گیا ہوں۔ دنیا کو ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک دیکھ چکا ہوں۔ میں نے یونیورسٹیوں اور لائبریریوں میں حقیقت کی تلاش کی ہے۔ میں نے تجربہ گاہوں میں سائنسی جدوجہد سے ربط وضبط قائم کیا ہے میں نے بازار اور صنعتی میدان میں انسانیت کے رجحانات کا مشاہدہ کیا ہے۔ میں زندگی کے نشیب و فراز سے گذرا ہوں (اور) مادی وسائل سے حاصل ہونے والی خوشی اور تسکین سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن ان تجربات میں اگر کوئی (تجربہ) یقینی، صاف اور واضح ہے تو وہ یہ کہ ایسی خوشی ہمیشہ وقتی اور لمحاتی ہوتی ہے جو آخر کار دکھوں اور پریشانیوں کے طوفان کے پیچھے روپوش ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے بارش اور کڑک والی سخت اندھیری رات میں گھنگھور سیاہ بادل چاند کا خوبصورت چہرہ چھپا دیتے ہیں اور طویل وقفوں کے سوا اسے اذن ظہور نہیں دیتے۔

میں نے ذہنی سکون اطمینان قلب اور تسکین ——— مختصراً حقیقی مسرت ——— کی تلاش کی۔ مادی دنیا مہیا نہ کر سکی اور حقیقت میں اُسے اس سے واسطہ بھی کیا ہے؟ یہ چیز نہ تو بازار سے ملی اور نہ صنعتی فیکٹری سے، نہ سائنسی تجربہ گاہ سے اور نہ اُن جگہوں سے جو مادی دنیا کے (معروف) اڈے ہیں۔ یہ (چیز) صرف مذہبیت میں دستیاب ہو سکتی ہے جس سے روحانی اور اخلاقی دنیاؤں کے نئے سے نئے افق کھل جاتے

ہیں۔ مذہب ہی ہیں اسکی جستجو ممکن ہے کیونکہ یہ اس سے علاقے کا دعویدار ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ مذہب کا اہم مسئلہ ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کیا چیز ہے؟ اپنے صحیح ترین مفہوم میں اس سے کیا عبارت ہے؟ آج دنیا میں بیسیوں مذاہب، گروہ اور 'ازم' ہیں۔ اگر مذہب کی تعریف کریں کہ یہ اُس نظریے کا نام ہے جو بنیادی اور کلی طور پر مذہب سے متعلق ہے یعنی یہ فلسفۂ حیات ہے تو مختلف نظریات کی کثیر تعداد اسکی دعویدار ہے۔

موجودہ دور میں کئی علماء اور مفکر معلم کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں اور اُنہوں نے ایک 'ازم' پیش کر کے اس کو مذہب کا درجہ دیا ہے۔ مارکسزم، ہٹلرزم اور گاندھی ازم اسی کی چند مثالیں ہیں۔ پرانے ازموں میں سے کنفیوشزم اور شنٹو ازم نے انسانی زندگی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

جب ہم سنجیدگی سے ان ازموں پر غور کرتے ہیں تو پہلی چیز جو ہمیں کھٹکتی ہے یہ ہے کہ وہ سب انسانی دماغوں کی پیداوار ہیں چاہے وہ کتنے ہی ذہنی ارتقاد سے آراستہ ہوں، بہرحال ہیں تو انسانی فکر کا نتیجہ ـــــ اگر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ انسان جو ان ازموں کے بانی ہیں اپنے فیصلے میں مخلص اور غیر جانبدار تھے نیز انسانی حدِ امکان تک بہترین معلومات کے مالک تھے۔ پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ انسان ہونیکی حیثیت سے اُن کی اہلیت، علم اور زاویۂ نگاہ محدود تھا۔ (پس) نہ تو اُنکا علم یقینی ہو سکتا ہے اور نہ ہی اُن کے فیصلے۔

پھر (اس صورتِ حال میں) ان ازموں اور اُستادوں پر نجات اخروی کامیابی (یا فلاح) اور خوشی (کے حصول) کے لئے کیسے اعتماد کیا جائے؟ اور نتیجۃً اگر کوئی معقول و خردمند انسان اُنکی رہنمائی قبول کرتے ہوئے اندھا دھند پیروی شروع کر دے تو ہم اُسکے طریقے کو غیر معقول ہونے کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

معلوم ہوا کہ اولین ضرورت ہی جو از ہوں کو معتبر بنا سکتی تھی، مفقود ہے۔ رہیں وہ غلط چیزیں جو اُن کی تعلیمات میں بنیادی طور پر شامل ہیں تو انہیں تفصیلاً موضوعِ بحث بنانے کا یہ وقت نہیں۔ یہی کہنا کافی ہے کہ وہ انسانی ذہنوں کی تخلیق ہیں جو فطری طور پر ہی نہ بے عیب ہیں اور نہ کبھی تھے۔

دماغِ انسانی جیسے علم کے ناتمام آلے کو ایسے معاملات میں جن پر ہماری نجات اخروی منحصر ہے یقینی ہدایت کار کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ یقینی جامع اور قابلِ اعتماد رہنمائی وہی ہو سکتی ہے جس کا سرچشمہ محدود و ناتمام ہونے کی بجائے غیر محدود و مکمل ہو، ایک ایسی ہستی جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہو، جس کی نگاہ زمان و مکان کی قیود سے بالا ہو اور جس کا حقائقِ اشیاء کے متعلق علم پوری طرح مطمئن کر سکے۔

کیا کوئی ایسی ہستی موجود ہے (جس میں مندرجہ بالا صفات پائی جائیں) ؟ کیا ایسے ذرائع ہیں جن کی مدد سے اُسے علم حاصل کیا جا سکے ؟ کیا وہ علم اور رہنمائی کامیاب زندگی اور حقیقی مسرت کا یقین دلا سکتی ہے جب وفاداری سے انکی پیروی کی جائے ؟ کیا اس بات کا کوئی عملی اور مثبت ثبوت ہے کہ جن لوگوں نے اس ہدایت پر عمل کیا وہ اپنے مقصود سے ہمکنار ہوئے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دینا ہے اور جن پر اہلِ فکر و نظر کی طرح ہمیں غور کرنا ہے کیونکہ انہی پر ہماری مشکلات اور مسائل کا حل مبنی نظر آتا ہے۔

جب ہم کائنات کو اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں ——— ستاروں سے بھرپور آسمان اوپر اور گوناگوں مخلوق نیچے ——— اور ایک ترتیب اور نمونے کا مشاہدہ کرتے ہیں جو ہر جگہ موجود ہے تو ہمیں مجبوراً اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے کہ پہلی وجہ عظیم، کسی نہ کسی مصور و کاریگر اور خالق کا ہونا ضروری ہے۔ عقل اسکو تسلیم نہیں کرتی کہ یہ عظیم کائناتی نظام کسی بنانے والے کے بغیر ظہور پذیر ہوا ہو۔ حقیقت تخلیق ہی میں وجود خالق کا نظریہ شامل ہے[1]

[1] یعنی جب تخلیق ایک حقیقت ہے تو خالق بھی ایک اعلیٰ حقیقت ہے۔

اس بات کو عام عقل بھی سمجھ سکتی ہے۔ اور سچا اور غیر متعصبانہ فلسفیانہ اور سائنسی نظریہ اس کا مؤید ہے (یہ ثابت ہو گیا تو) منطقی جرح و قدح کے مطابق ضروری ہے کہ وہ خلاق اکبر، قادر، عالم کل اور حاضر و ناظر ہو۔

حیاتِ انسانی میں اس اعتقاد کو عالمگیر حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس سے صرف ایسے افراد نے انکار کیا ہے جن کے جذباتی تعصب نے انہیں، عقل و خرد سے بے نیاز ہو کر سوچنے پر آمادہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہم تاریخ کا غائر مطالعہ کریں تو ہمیں انسانوں کا ایک خاص گروہ نظر آئے گا۔ جن کا خاص وصف یہ تھا کہ انہوں نے کسی انسان سے فلسفہ یا سائنس نہ پڑھی اور ہمیشہ گندے اور تاریک ماحول میں پرورش پاتے رہے پھر بھی انہوں نے اعلیٰ عقل اور شاندار اخلاق سے مزین اساتذہ کی حیثیت سے (بنی نوع انسان کی) رہنمائی کی۔ وہ عدم تعلم کے پس منظر سے اٹھے (یعنی بچپن میں انہوں نے کسی فردِ بشر سے تعلیم حاصل نہ کی) اور اپنی حقیقت یوں بیان کی

"ہم کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کرتے۔ ہمارا کلام ہمارے اذہان کی پیداوار نہیں ہم بے علم تھے جب کہ کسی بلند و بالا طاقت نے اپنی مرضی سے ہمیں سکھایا اور استاد مقرر کیا۔ ہمیں صرف وہی چیزیں سکھانے کا حق ہے جن کی تعلیم کا حکم ملتا ہے۔ ہمیں اسی چیز کے اعلان کرنے کا اختیار ہے جس کی ہمیں اجازت ہے"

رہنمائی حاصل کرنے کی اس کارروائی کا نام مذہبی اصطلاح میں وحی والہام ہے۔ اس منصب عظیم پر فائز ہونے والے لوگ ہوتے تھے جو رب تعالیٰ کی خصوصی عطا ہوتی ہے۔ ہم میں سے وہ لوگ جو وجدان کی حس جس سے کوئی انسان محروم نہیں کی کارپردازی کا تجربہ رکھتے ہیں کسی حد تک تصور کر سکتے ہیں کہ یہ خاص اشخاص لوگوں تک پیغامات پہنچانے کے لئے خدا سے انہیں کس طرح وصول کرتے ہوں گے۔

خدا سے پیغامات حاصل کرنے اور خلق تک پہنچانے کے عمل کی بنا پر ہی مذہبی اصطلاح میں انہیں رسول یا نبی کہا جاتا ہے۔ مکتبی بلکہ ہر قسم کی ظاہری تعلیم کو حاصل کئے بغیر بھی وہ بلند ترین عقل و علم کی باتیں سکھا دیتے تھے۔ انہیں مکارم اخلاق کے سیکھنے کے مواقع میسر نہ تھے پھر بھی وہ قوموں میں اخلاقی انقلاب برپا کر سکتے تھے۔ اُن کے رسل اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت تو اسی (حقیقت) میں مضمر ہے۔ اُن کی سچائی، بزرگی اور انسانیت کو صحیح رستہ دکھانے کی اہلیت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ اُن کے پیرو کار زندگی میں کامیاب رہے اپنی استعداد کے مطابق انسانی کمال کی بلندیوں تک پہنچے اور حقیقی مسرت سے بہرہ اندوز ہوئے۔

یہ انبیاء کرام علیہم اسلام وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے۔ دراصل جب کسی نبی علیہ اسلام کا پیغام فراموش یا محرف کر دیا جاتا، ایک نئے نبی علیہ اسلام مبعوث ہوتے وہ تحریفات کو واضح کر کے حالات کے مطابق پیغام کی تکمیل کرتے۔ تاریخ میں ہم ان (نفوس قدسیہ) کی مسلسل فہرست دیکھتے ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر مختلف قبیلوں اور قوموں میں جاتی ہے اور حضرات نوح، سلیمان، داؤد، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسی برگزیدہ ہستیوں سے گزرتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ کا فرض قوم میں (تبلیغ کا) کام کرنا اور صراط مستقیم کی دعوت دینا تھا۔ یہ سب حضرات تشریف لا کر اپنا اپنا کام کر گئے۔ حتیٰ کہ حیاتِ انسانی ایک وقت پر عالمگیر تاریکی میں محصور ہو گئی جیسے کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس

تمام قومیں خدائی پیغام سے بہت دور ہو گئیں۔ عالمگیر اصلاح کے لئے ایک عالمگیر پیغام کی ضرورت تھی۔ اور اُسی خدا نے جس نے آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک سب رسولوں کو وحی بھیجی تھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وحی بھیجی

جنہوں نے بنی نوع انسان کی تاریخ میں پہلی دفعہ خدائی حکم کے مطابق یہ دعویٰ کیا

یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

آپ کا پیغام وہی تھا جو پیغمبرانِ سابق نے اپنے اپنے مخصوص ماحول میں مقامی حالات کے پس منظر میں دیا تھا۔ یہ اُن تمام پیغامات کا اعادہ تھا جسے پختہ ذہن انسانیت کی ضروریات کے مدِنظر تکمیل یافتہ شکل میں پیش کیا گیا، چنانچہ آپ کی کتاب المعروف بہ قرآنِ مقدس نے اعلان فرمایا

ان ھذا لفی الصحف الاولی ٭ صحف ابراھیم وموسیٰ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس وقت تشریف لائے جب چھاپہ خانہ اور پیغام کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھنے کا وہ ذریعہ وجود پذیر نہیں ہوا تھا جس کا اہتمام آپ کے غلاموں نے سائنسی کوششوں کے ساتھ بعد میں کیا۔ آپ کا پیغام مستقل اور ابدی ہے۔ چنانچہ رب تبارک نے خود ان الفاظ میں اسکی حفاظت کا وعدہ کیا۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

(اور) اس کے کامل ہونے کا اعلان یوں فرمایا

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

ہدایت کی اس الہامی کتاب قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے انسانوں کے غلط نظریات وخیالات کی تصحیح فرمائی اور اس فلسفۂ زندگی اور نظام حیات کی تشریح کی جس کی بنیاد خدا کے مقرر کردہ ابدی اصولوں پر ہے۔ اس فلسفے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جس طرح انسان کی طبعی زندگی اور نشوونما چند قوانین کے ماتحت ہے ویسے ہی روحانی اور اخلاقی قوانین روحانی واخلاقی زندگی میں کام کرتے ہیں۔ اور جسطرح طبعی قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ جسمانی بیماری اور زوالِ صحت ہوتا ہے ویسے ہی

روحانی و اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی روحانی و اخلاقی علت و بدنظمی کا باعث بنتی ہے۔ نتیجۃً سچی مسرت اور حقیقی کامیابی، خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اور برگزیدہ رسولوں کے ذریعے ظاہر فرمودہ قوانین کے مطابق زندگی کے جسمانی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی متوازن نشوونما ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

ابھی کل کی بات ہے کہ ایک امریکن عورت نے اپنے دائیں ہاتھ کے درد کا ذکر کیا جس کا سبب پیانو بجانے میں پٹھوں کا غلط استعمال تھا۔ اسکو یہ تکلیف کافی دیر تک رہی حتیٰ کہ اُس نے خود علم الصحت اور اعصابی نظام کا مطالعہ کر کے مختلف رگوں اور پٹھوں کی سرگرمی میں ربطہ پیدا کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا۔ اس طرح اس کے مرض کا علاج ہو گیا۔ اب ہم کسی مکمل مثال کو بروئے کار لائے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ سچی خوشی اُسوقت میسر ہو گی جب ہم اپنی روحانی اخلاقی اور جسمانی نشوونما کے اصولوں کا اتباع کریں اور یہ اتباع ارتباط اور توازن سے محروم نہ ہو۔ ورنہ نتیجہ بالکل الٹ ہو گا۔

اس مختصر سے وقت میں زیر بحث ضابطہ حیات کی بالتفصیل تشریح ممکن نہیں۔ اسکے لئے سنجیدہ مطالعہ اور اطلاق کی ضرورت ہے۔ آپ میں سے جو حضرات اس کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں وہ علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی میں لکھا ہوا ترجمہ قرآن اور اس پر تبصرہ دیکھیں جو واشنگٹن ماسک فونڈیشن کمپنی سے مل سکتا ہے۔ میں یہاں صرف چند بنیادی حقائق اور ان کے متعلق اصول بیان کروں گا تاکہ آپ اگر اُن پر عمل کریں تو سکونِ قلب تسکینِ روح اور ابدی مسرت حاصل کر سکیں۔

میرے دوستو!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان قوت فکر اور قوت تمیز کا مالک ہے اور

انہی کے تحت قوتِ ارادی کام کرتی ہے یہی قوتِ ارادی یعنی فکر و جذبہ سے ملی جلی طاقت ہے جو ہماری زندگی میں اہم ترین کام کرتی ہے۔ قوتِ فکر اگر ایک خاص نقطے پر مرکوز ہو جائے تو اعتقاد کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو ہماری ساری سرگرمی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بخار کے زیر اثر گرنا شروع ہو جائے گی حتیٰ کہ اسے بخار چڑھ کر رہے گا۔ دراصل، ہمارے دماغی رویے کا ہماری جسمانی زندگی پر اثر عام مشاہدے کی بات ہے۔ ہم اسے زندگی کے چھوٹے چھوٹے موڑوں پر محسوس کر سکتے ہیں۔ سو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ تقدیر اور ماحول کے متعلق انسان کے بنیادی عقائد ہی اس کی زندگی کی تعمیر و تخریب کے بہت حد تک ذمہ دار ہیں۔

نتیجتہً مکتب اسلام میں جو پہلا سبق سکھایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب آپکو بنیادی عقیدہ اور عقل یہ احساس دلاتی ہے کہ کائنات کا ایک خالق ہے جو قادر مطلق عالم کل اور حاضر و ناظر ہے تو آپ کو اس رسمی اعتقاد پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے تمام زندگی، نور اور کمال کا سرچشمہ، منعم حقیقی، ہمیشہ قریب رہنے والا اعمال اور عزائم و خیالات کا نگران اور قیوم خیال کرتے ہوئے محبت کی پختگی کے ساتھ اسکی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ احساس، اعتقاد اور خیال کا ارتکاز تمہیں نئی زندگی بخش دیگا اور تم میں نئی قوت پیدا کریگا۔ ایک مثال سے اس کی تشریح کئے دیتا ہوں۔ روزمرہ زندگی میں اگر آپ کسی ایسے شخص سے گہرے طور پر منسلک ہو جائیں جو کسی قسم کی طاقت رکھتا ہے تو آپ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کریں گے سو، اس ذات سے حصول قرب کے اثرات کا اندازہ کیجئے جو زندگی، نور، کمال اور قوت کا سرچشمہ ہے۔

اب آپ کے ذہنوں میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ
خدا سے قرب حاصل کرنے کے کونسے ذرائع ہیں

اور قرب کا یقین کیسے حاصل ہو سکتا ہے

میرے دوستو۔

میں نے ابھی ابھی آپ کو بتایا ہے کہ خدا ایک غیر محدود لا متناہی حقیقت ہے اور وہ زمان و مکان کی قیود سے بالا ہے زمانہ خود حیات طبعی کا ایک پیمانہ ہے اور مکان کی مقداری حقیقت سے سب آشنا ہیں۔ ہم قرب کا مفہوم زمان و مکان سے وابستہ کرنے کے عادی ہو گئے ہیں مگر خدائے تعالیٰ کا تصور ان مصطلحات سے وری ہے۔ وہ یقیناً ہمارے نزدیک ہے جیسے کہ مذہب کہتا ہے اور ہم خود بھی محسوس کرتے ہیں جب اُسے توجہ کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ خدا تعالےٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

واذا سألك عبادی عنی فانی قریب ط

اجیب دعوۃ الداع اذا دعان ط

لیکن یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے ہم میں سے اکثر اس قرب سے بے خبر رہتے ہیں۔ اس کا جواب ایک مثال سے دیتا ہوں۔

فرض کرو آپ نے اپنی جیب میں جو دل کے بالکل قریب ہے ایک پیاری چیز رکھی ہوئی ہے۔ مگر دوسری چیزوں میں مصروفیت کے وقت تم اسکا قرب بلکہ اسکا وجود ہی فراموش کر دو حالانکہ یہ چیز موجود ہونے کے علاوہ قریب بھی ہے۔ صرف آپ کا خیال ہی حاضر نہیں اور اس طرح آپ میں اور اس چیز میں بعد اور خلا پیدا ہو گیا۔ بلا تشبیہ کچھ اسی طرح جہاں تک خدا کا تعلق ہے وہ ہر وقت ہمارے [illegible] ہے لیکن جہاں تک ہمارا اپنا تعلق ہے ہم یا تو قرب کو محسوس کرتے ہیں یا کبھی اپنے خیال میں محو ہو کر اس (قرب) سے بیخبر ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ ہمارے خیال کا کام ہے کہ اُسکی نزدیکی کو محسوس کریں اور اُسے بار بار یاد کرنے سے

اس احساس کو مستقل بنالیں۔

جسقدر یہ احساس مضبوط ہوگا اُسی قدر زیادہ سکون قلب اور مسرت میسر ہوگی اس لئے قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

یعنی سن رکھو دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔

یہی خوشی خدا کی یاد سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر کیا اس ذکر کو حقیقی معنوں میں موثر بنانے کا کوئی خاص طریقہ ہے؟ کیا خدائے قدیر نے جو ہمیں ماں باپ سے زیادہ محبت کرتا ہے اور جس نے اسی لئے اپنے برگزیدہ رسولوں علیہ السلام کے ذریعے ہماری رہنمائی کا بندوبست کیا، اپنی یاد کا کوئی بہترین طریقہ بھی سکھایا ہے؟ کیا عبادت کی معینہ شکلیں یا ایک ہی وقت کی عبادت سودمند یا کافی ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہمارے دماغوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جنکا جواب قرآن کریم نے دیا ہے ہمیں بتایا گیا ہے کہ دن میں پانچ دفعہ فرض نمازیں ادا کریں اور زندگی کے لمحے لمحے میں خدا کی یاد قائم رکھیں۔ الہامی کتاب کے الفاظ میں

اولی الالباب ٥ الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً علیٰ جنوبھم

اب اس یاد کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ہم ہر لمحے کے اختتام پہ یاد کریں کہ تمام طاقت اور اچھائی اُسی سے ملتی ہے اور ہم تو صرف اُس سے لینے والے ہیں۔

(۲) ہر کام کو کرتے وقت باخبر رہیں کہ یہ کام خدا کے اتارے ہوئے اور اُس کے پیغمبروں کے سکھائے ہوئے قوانین کے مطابق ہے یا نہیں۔

ایسی جامع اور مستقل یاد روح کو غذا بہم پہنچاتی رہیگی حتیٰ کہ انسانی شخصیت اپنے آپ سے غیر معمولی اور روز افزوں طاقت حاصل کرے گی۔

اور اسے وہ مقام بصیرت نصیب ہوگا جہاں تمام کمزوریاں اور دکھ ختم ہو جاتے ہیں اور مل حقیقی مسرت اور پائیدار سکون کا گنجِ گراں مایہ بن جائے گا۔

میرے دوستو!

یہ سبق جس کی وضاحت میں نے کی ہے آپ کے نزدیک ایک نظریے سے زیادہ کچھ نہیں۔ مگر جسطرح سائنس میں کوئی نظریہ عملی تجربہ سے تائید لئے بغیر مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا بالکل اسی طرح آپ اس کو بھی عملی طور پر آزمائیں یہ کارروائی ہی نظریے کی صداقت کا ثبوت پیش کر دیگی۔ جب آپ اپنی سرگرمی کی بنیاد ذکرِ خدا پر رکھیں گے تو جلدی ہی اپنی زندگی کو ارادۂ الٰہی کے مطابق ایک متوازن سانچے میں ڈھلی ہوئی پائیں گے۔

آپ اس کی حلاوت محسوس کریں گے اور یہ کہ آپ اس مملکت میں ہیں جہاں تلخی و ناکامی لگاتار کم ہوتی جا رہی ہو۔ اس مقام پر آپ اپنے دل کے کانوں سے قرآنِ کریم کی یہ بشارت سنیں گے۔

اِنّ الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا
تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا
تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم
توعدون ۝ نحنُ اولیاء کم فی الحیوٰۃ
الدنیا و فی الاٰخرۃ ط ولکم فیھا ما تشتھی
انفسکم ولکم فیھا ما تدعون ۝ نزلاً
من غفور رحیم ۝

[illegible]ک جس پیغام کی میں نے تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو یاد رکھئے اُ[illegible]ت [illegible]یر و ناظر، عالم کل سمجھئے۔ اُس کے پیغام کی معتبر شکل کو تلاش کیجئے

اور دریافت کر کے اس پر عمل کیجئے۔ خدائی قوانین کے مطابق اپنے اخلاق اور عادات کو ڈھالئے۔ خبردار خدا ہی آپ کا مالکِ حقیقی اور بادشاہ ہے۔ اس کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے اُس کے رسولوں کو نمونہ بنایئے جن میں آخری رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس راستے پر خود چلئے اور اسی کی تلقین کیجئے۔ اس پر چل کر صحیح کامیابی، مستقل سکون اور ابدی مسرت حاصل کیجئے۔

خدائے رحیم و رحمٰن اپنی طرف ہم سب کی رہنمائی کرے۔

آمین

(حمایت اسلام پریس لاہور)